مولانا احمد علی لاہوری کے ترجمۂ قرآن کا مطالعہ

حافظ محمد سعید احمد *

عبداللہ **

اردو، برصغیر کی ایک ایسی زبان ہے جس میں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کی اسلامی روایت موجود ہے اس طرح ''بین الاسلامی'' لسانی اثرات کے سبب اس زبان میں ایک علمی وقار، رچاؤ اور ٹھہراؤ آ گیا ہے۔ اور ساتھ ہی مقامی ہندی زبانوں سے اخذ واستفادہ کے سبب یہ ایک سہل اور رواں زبان بن گئی ہے۔ اس شاندار لسانی پس منظر کے باعث اردو میں ہر مضمون کو ادا کرنے کی اہلیت اور صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔

دینی پہلو سے دیکھیں تو یہ زبان بہت باثروت اور متموّل واقع ہوئی ہے۔ اسلامی علوم کے تراجم وتشریحات، توضیحات اور اشاعت وخدمت دین کا جو شرف اس زبان کو حاصل ہوا ہے اتنی کم مدت میں اس قدر سرعت اور پھیلاؤ شاید ہی کسی غیر عربی زبان کو میسر آیا ہو۔ گویا دیار ہند میں اس ''مومنہ'' زبان کی دین کی تعلیم، تفہیم، تسہیل اور تشریح وتوضیح کے لئے خدمات ہمہ جہت اور ہمہ پہلو ہیں۔ یہ زبان دعوت اور تبلیغ کے میدان میں بھی پیش پیش رہی اور اس نے ہر داعئ دین کو اپنے سبک و رواں لہجے واسلوب کے باعث ایک آسانی مہیا کی۔

میدان دعوت میں بالعموم سابقہ عوام الناس سے پڑتا ہے انہیں عقائد واحکام دینیہ سے روشناس کروانا ہوتا ہے اسلئے آیات قرآنیہ کا ترجمہ ومفہوم پیش کرنا گویا دعوت کی بنیاد ہے پھر جب کوئی نومسلم دائرہ اسلام میں آ جاتا ہے تو قرآن مجید سے اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ مطلق تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے اردو مفہوم کی طلب ایک ضرورت بنتی جاتی ہے۔ نتیجتاً اس زبان میں ترجمے کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔

اردو زبان ابتداء ہی سے مومنہ وموحدہ رہی ہے۔ دعوت وتبلیغ دین میں اس کا بنیادی کردار ہے۔ اس لئے اس زبان میں تراجم قرآن جزوی طور پر اول زمانہ ہی سے شروع ہو گئے تھے۔ تاریخ میں ان تراجم کے نمونے ملتے ہیں۔

> ''اردو میں قرآن کے تراجم اور تفاسیر کا سلسلہ سولھویں صدی عیسوی کی آخری دہائی یعنی دسویں صدی ہجری سے شروع ہو گیا تھا'' (۱)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج شاہدرہ، راوی روڈ، لاہور، پاکستان۔

** لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور کینٹ، لاہور، پاکستان۔

تاریخی اعتبار سے محمد باقر فضل اللہ حیدر آبادی نے ۱۷۰۳ء میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا پھر مراد اللہ انصاری سنبھلی نے قرآن کے تیسرے پارے کی تفسیر لکھی جس کی تکمیل ۱۷۱۰ء میں ہوئی جو تفسیر مرادی کے نام سے مشہور ہے۔اس کے علاوہ فارسی اورعربی کے الفاظ سے مملو ترجمہ جس میں اردو کا حصہ خاصا کم تھا وہ قاضی محمد معظم سنبھلی کا ہے۔(۲)

اس کے بعد تراجم قرآن مجید کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اس میں مکمل تراجم کے ساتھ کچھ سورتوں کے تراجم بھی کیے گئے جن کا زمانہ ۱۷۱۹ء/۱۱۳۱ھ کا ہے۔(۳)

شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ کی بنیادی حیثیت:

ان ابتدائی کاوشوں کے بعد ترجمۂ قرآن کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ اردو کا فارسی کے ساتھ گہرا لسانی وتاریخی رشتہ ہے۔ اس عہد میں عربی کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں فارسی الفاظ بکثرت استعمال ہوتے تھے۔ اس لئے اردو تراجم قرآن کی بنیاد میں فارسی کی مساعدت ناگزیر تھی۔ اور اس میدان میں اہل ہند کے لئے فارسی زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کا ترجمہ مینارہ نور کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ یہی ترجمہ اردو تراجم کی اصل ٹھہرا۔ اور اسی کو بنیاد بنا کر اردو میں تراجم کیے گئے۔اس پہلو سے دیکھیں تو اس ترجمۂ قران نے عوام الناس میں قرآن فہمی کا ایک ذوق پیدا کر دیا اور لوگ قرآن کریم کے قریب تر ہونے لگے۔

مولانا سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں کہ:

> ''ترجمہ اگرچہ فارسی زبان میں ہے مگر اردو کے تراجم کا امام اور رہنما ہے اس لئے اسے ''سید التراجم'' بھی کہا جا سکتا ہے۔(۴)

حضرت شاہ ولی اللہ کی عبقریت اور رسوخ فی العلم ایک مسلّمہ حقیقت ہے آپ برصغیر کے علماء کے گل سرسبد تھے۔ آپ نے قرآن مجید کا جو ترجمہ کیا وہ ہمہ پہلو اور کثیر الجہات ہے اس میں تفسیری ادب کے لطیف نکات اور خود شاہ صاحب کی قرآنی بصیرت کے منفرد اور شاندار نمونے نظر آتے ہیں۔ اس میں بیک وقت علماء اور عوام الناس کی رہنمائی کا سامان موجود ہے یہ ترجمہ فکری ہونے کے ساتھ ساتھ دعوتی انداز کا حامل بھی ہے۔شاہ صاحب اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب (ترجمہ، فتح الرحمٰن) کا مرتبہ متن قرآن اور فارسی کے مختصر رسائل پڑھنے کے بعد ہے تاکہ فارسی ان کی سمجھ میں بے تکلف آ جائے۔ پھر وہ لوگ جو عمر کا ایک بڑا حصہ گزار دینے کے بعد توبہ کی توفیق پاتے ہیں مگر اسلامی علوم کو حاصل نہیں کر پاتے یہ کتاب ان کو پڑھانی چاہیے تاکہ وہ

قرآن کی تلاوت میں حلاوت پائیں اور اس کتاب کا فائدہ عام مسلمانوں کے حق میں متوقع ہے ان شاء اللہ تعالی العظیم۔''(۵)

شاہ صاحب نے اس ترجمہ میں علمی شکوہ کے ساتھ ساتھ فنی لحاظ سے ترجمہ میں ایک نئے اسلوب کی راہ نکالی ہے۔آپ سے پہلے بالعموم تین طرح سے تراجم کرنے کا رواج تھا جب کہ شاہ صاحب نے ایک چوتھا طرزِ ترجمہ اختیار کیا۔

(۱) لغوی ترجمہ، جسے وہ ترجمہ تحت اللفظ کا نام دیتے ہیں۔

(۲) اصطلاحی ترجمہ، جسے وہ بیان ''حاصل المعنی'' سے موسوم کرتے ہیں۔

(۳) وہ ترجمہ جو مذکورہ دونوں ترجموں کے درمیان ہے۔

(۴) وہ ترجمہ جو شاہ صاحب نے فتح الرحمٰن میں اختیار کیا۔(۶)

چوتھی قسم کے ترجمہ کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ:

''ایک طرف تو تحت اللفظ ترجمہ کو لیا اور اس کے خلل کو یاد رکھا اور اس کے فنون میں تصرف کیا، دوسری طرف بیان حاصل المعنی کو لیا اور فہم و مراد کے مشکل مقامات اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے طریقہ کو ضبط کیا۔ پھر تحت اللفظ کی پیروی کی، ٹھیک اسی نظم کے مطابق جو قرآن میں مذکور ہے اور فعل کے اختلاف کو اپنے اوپر ہموار کیا اور اس جگہ پر جہاں فارسی ترجمہ میں پیچیدگی اور رکاکت لازم آتی ہے یا عربی زبان میں ایسی ترکیب آئی ہے کہ جس کی نظیر فارسی زبان میں نہیں ملتی تو اس کے مساوی حرف عربی حروف میں سے اس کی جگہ رکھ کر ترجمہ کیا''۔(۷)

گویا شاہ صاحب نے اجتہادی قسم کا ترجمہ کیا ہے۔برصغیر میں قرآن فہمی کے حوالے سے ''فتح الرحمٰن'' کی حیثیت بنیادی ہے اور یہ اردو کے تراجم کا امام اور رہنما ہے۔اس ترجمہ کی تکمیل ۱۱۵۶ھ میں ہوئی۔

ولّٰہی فکر کے حامل تین تراجم:

(الف) موضح قرآن:

ترجمہ فتح الرحمٰن اردو تراجم کی ''اصل'' اور ''ام'' کی حیثیت کا حامل ہے۔شاہ ولی اللہ کے قرآنی علوم ومعارف ان کی قابل فخر اولاد کے حوالے سے دیکھیں تو آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (متوفی ۱۲۳۹ھ) ہیں۔آپ کی تفسیر، بموسوم ''تفسیر عزیزی'' نامکمل شکل میں ہی دستیاب ہے۔اگر یہ مکمل ہوتی تو خاصے کی چیز ہوتی۔

شاہ رفیع الدین دہلوی (متوفی ۱۲۳۳ھ) کا لفظی ترجمہ انفرادی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اردو میں لفظی ترجمۂ قرآن کی اولین اور کامیاب کوشش ہے۔ لفظی ترجمہ کے التزام کے باوجود اس میں شاہ رفیع الدین کی قرآنی بصیرت کے نمونے جا بجا نظر آتے ہیں۔ (۸)

حضرت شاہ ولی اللہ کے ترجمہ ''فتح الرحمٰن'' کا حقیقی ترجمان اور اس ترجمے کا فیضان شاہ عبد القادر صاحب (متوفی ۱۲۳۰ء) کا ترجمہ ہے ان کے بھی یہی مقاصد تھے جو ان کے والد کے پیش نظر تھے۔ (۹) اس لئے شاہ عبد القادر کے ترجمے کی اصل بنیاد ''ترجمہ فتح الرحمٰن'' ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ایک ترجمہ فارسی میں ہے اور دوسرا ترجمہ اردو خوان طبقے کے لئے ہے۔ جس میں شاہ عبد القادر کی قرآن فہمی کے موتی جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند اس ترجمے کو ''احسن التراجم'' اور ''انفع التراجم'' کہتے ہیں۔ (۱۰) شاہ صاحب کے اس ترجمہ قرآن کے ادبی اور فکری محاسن پر قاری محمد طیب اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:

> ''حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظ قرآنی کے حقیقی مفہوم عام کو بجنسہٖ باقی رکھتے ہوئے ترجمہ فرمایا کہ ''اچھائیاں واسطے اچھوں کے اور برائیاں واسطے بروں کے'' جس میں عورتیں، چیزیں اشیاء وغیرہ سب آجاتی ہیں، حقیقی معنی میں قرآن کا مفہوم عام ہے۔ اس ترجمہ کی وہ بلاغت ہے جس کے بارہ میں میں نے اپنے بزرگوں سے حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنا ہے کہ اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ کی ہیں۔'' (۱۱)

ترجمہ قرآن کا مذہبی حوالہ تو اپنی جگہ معتبر ہے ہی لیکن ادبی وفنی نقطہ نظر سے بھی اس ترجمے کی اپنی افادیت وعظمت ہے۔ جس کا نقادانِ فن کو اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اردو ادب کے ایک نقاد لکھتے ہیں کہ:

> ''اگر ہم اردو شاعری کی زبان کا مقابلہ شاہ عبد القادر کے ترجمہ کی نثر سے کریں تو ہمیں اس ترجمے کی خوبصورتی اور تاثیر واضح طور پر نظر آئے گی'' (۱۲)

شاہ صاحب کے ترجمہ کے عہد میں ایک اور ترجمہ کا سراغ بھی ملتا ہے۔ کہ انگریزی سرکار نے بھی ایک اردو ترجمہ اپنے اہتمام میں کروایا۔ (۱۳)

حضرت شیخ الہند، شاہ عبد القار صاحب کے ترجمہ کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ شاہ صاحب کس طرح سے لفظی نزاکتوں اور قرآنی الفاظ کے مفاہیم و لطائف اور اسرار وغوامض کا لحاظ رکھتے ہیں:

> ''حضرت شاہ صاحب ترتیب قرآنی کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اصل اور ترجمہ کی مطابقت میں

بہت سعی فرماتے ہیں مگر چونکہ ترجمہ با محاورہ کا التزام کیا ہے اس لئے ضرورت توضیح وتسہیل میں بعض مواقع پر تقدیم وتاخیر لازم ہے۔مگر جیسا کہ آٹے میں نمک۔ یہ نہیں کہ آخر کا ترجمہ اول اور اول کا آخر ہو جائے۔ (۱۴) گویا با محاورہ ترجمہ میں مرادات الٰہی کو واضح کرتے ہیں اور اس میں بھی از حد کوشش ہوتی ہے کہ الفاظ قرآنی کے ماتحت رہ کر مفہوم بیان کیا جائے۔مختصر یہ کہ موضح قرآن جملہ اردو تراجم کے لئے بمنزلہ ''امام''اور''اصل'' کے ہے۔

(ب) موضح الفرقان (ترجمہ مولانا محمود حسن، شیخ الہند)

مولانا محمود حسن، دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم بھی ہیں اور مولانا قاسم نانوتوی کے شاگرد خاص بھی آپ کو اللہ تعالی نے جامعیت کی ایک شان عطا فرمائی تھی قرآن مجید سے آپ کا خصوصی تعلق رہا اور علوم ولی اللّٰہی سے آپ کی خاص ذہنی وفکری مناسبت تھی۔شاہ عبد القادر صاحب کے ترجمے کو آپ ''انفع التراجم''فرماتے ہیں۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ زمانی اعتبار سے موضح قرآن کے کئی الفاظ اب متروک ہو گئے ہیں اور عوام کے لئے ان کی تفہیم مشکل ہوتی جا رہی ہے تو آپ کو اس ترجمہ میں نئے الفاظ کی ضرورت محسوس ہوئی اور آپ نے اس کی تسہیل کا عزم فرمایا آپ نے اس کی تسہیل میں از حد احتیاط کی اور کسی جگہ بھی موضحِ قرآن کے انداز اور بنیادی فکر سے انحراف نہیں کیا آپ نے متن قرآن کو بالاتر رکھا ہے اور اردو کے محاورہ کو اس کے تابع کیا ہے۔

آپ کے اس ترجمہ پر ڈاکٹر شاہد علی یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''حضرت شیخ الہند صاحب کا ترجمہ سلیس وبامحاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ تحت اللفظ بھی ہے۔ خواص وعوام سبھی اس سے باآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔موضح الفرقان کے تفسیری حواشی مکمل طور پر سلف صالحین کے طرز پر لکھے گئے ہیں ......شیخ الہند صاحب جو حواشی تحریر کرتے ہیں اس میں آیات کی تشریح قرآن کے بعد احادیث کی روشنی میں کرتے ہیں اور جابجا احادیث کا متن اور بعض جگہ اس کا نچوڑ بھی بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔مولانا عثمانی صاحب نے بھی احادیث کے استعمال کے ضمن میں اسی طریقے کی پیروی کی ہے۔شیخ الہند نے فضول مباحث یا مسالک کے آپسی اختلافات کی بحث میں نہ الجھ کر اپنے حواشی کو طوالت سے بچایا ہے یہی وجہ ہے آپ مختصر مضمون میں پورے مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں''۔(۱۵)

یہ ترجمہ بنیادی طور پر حضرت شاہ ولی اللہ کے ترجمہ ''فتح الرحمٰن''اور شاہ عبد القادر کے ترجمہ کی فکری ومعنوی توسیع ہے اور اسی تسلسل کی ایک سنہری کڑی ہے۔اس لئے شیخ الہند نے اپنے ترجمہ میں موضح قرآن سے متروک

الفاظ کو نئے الفاظ سے از حد احتیاط کے ساتھ بدلا ہے۔اور اکثر جگہ انہی الفاظ کو برقرار رکھا ہے۔تا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے فکری تسلسل میں انقطاع واقع نہ ہو۔

(ج) ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری:

یہ ترجمہ بامحاورہ ہے اور اس میں الفاظِ قرآنی و مدلولات قرآنی باہم ساتھ ساتھ چلتے ہیں،البتہ بعض مقامات پر لفظی ترجمہ کو (بربنائے احتیاط) ترجیح دی گئی ہے۔آپ نے اس ترجمہ میں علوم وافکار ولی اللّٰہی کو اپنا خاص مرجع بنایا ہے۔ اس کی بنیاد میں تین تراجم سے بالخصوص استفادہ کیا گیا ہے (۱)فتح الرحمٰن (۲)موضح قران (۳)ترجمہ شیخ الہند۔اس لئے اس ترجمہ وحواشی میں شاہ ولی اللہ کے جا بجا حوالے اوران کی مخصوص اصطلاحات نظر آتی ہیں۔ترجمہ کی ابتداء ہی میں مولانا لاہوری(متوفی ۱۹۶۶ء) حروف مقطعات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''حضرت شاہ صاحب نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کے اخیر میں بھی حروف مقطعات کے متعلق بقدرضرورت ارقام فرمایا ہے۔''(۱۶)

اس میں بالخصوص ''خلاصہ'' کے عنوان کے تحت فکر ولی اللّٰہی کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔سورہ بقرہ کا خلاصہ میں شاہ عبدالقادر کا حوالہ اس طرح سے دیتے ہیں۔

> ''سورہ بقرہ میں یہود مخاطب بالذات تھے اور نصاری بالتبع آل عمران میں نصاری کی اصلاح مقصود بالذات ہے اور یہود کی بالتبع ،حضرت شاہ عبدالقادر کا یہی خیال ہے''۔(۱۷)

ان ہر دو شخصیات سے استفادہ کی وجہ،علوم ولی اللّٰہی کے شناور مولانا عبید اللہ سندھی سے آپ کا تلمیذانہ تعلق ہے۔ مولانا اخلاق قاسمی لکھتے ہیں:

> مولانا لاہوریؒ، امام انقلاب عبید اللہ سندھیؒ سے خاندانی اور علمی ہر دونسبتوں کے سبب خاندان ولی اللّٰہی کے علوم ومعارف کے بڑے ترجمان تھے۔(۱۸)

قاضی زاہدالحسینی لکھتے ہیں:

> ''آپ کی ساری زندگی درسِ قرآن عزیز اور دینی اور روحانی علوم کی اشاعت میں بسر ہوئی، کئی رسائل تالیف فرمائے۔آپ کا اہم کارنامہ قرآن کریم کا ترجمہ اورتفسیری حاشیہ ہے آپ نے خاندان ولی اللّٰہی کی تعلیمات کے پیش نظر ترجمہ اور حاشیہ مرتب فرمایا ہے جو برصغیر کے تمام جید علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔''(۱۹)

مولانا اخلاق حسین قاسمی خود بھی حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم وافکار سے مناسبت رکھتے ہیں۔آپ کا یہ

قول حضرت لاہوری کے متعلق ایک اہم گواہی کی حیثیت حامل ہے۔

''علماء ہند میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد القادر صاحب کے قرآنی علوم کا سب سے بڑا شارح اور ترجمان اگر کوئی تھا تو وہ مولانا احمد علی لاہوری کی ذات گرامی تھی''۔(۲۰)

مولانا احمد علی لاہوری نے اس ترجمہ وتفسیری حاشیہ میں شاہ ولی اللہ کے علوم ومعارف سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔ان اصطلاحات استعمال کیں ،متعدد جگہ ان جیسا فلسفیانہ اور حکیمانہ انداز اختیار کیا ہے۔مخالف آراء اور ظاہری اختلاف میں تطبیق توفیق کا ولی اللہی انداز اس ترجمہ اور حاشیہ میں جھلکتا نظر آتا ہے۔پھر شاہ صاحب ہی کے انداز اور نہج پر اجتماعیت کے سیاسی وعمرانی افکار بیان کیے ہیں۔اور اس کے ساتھ ساتھ حالات حاضرہ پر ان اصول وافکار کا انطباق واطلاق بھی جامع طریق پر کیا ہے۔اس وجہ سے اس ترجمہ وحاشیہ میں ایک خاص جامعیت، حالات حاضرہ میں قرآنی رہنمائی اور ندرت فکر کی ایک خاص شان پیدا ہوگئی ہے۔

مختصر علمی تعارف مولانا احمد علی لاہوری

شخصیت وتعارف:

آپ کی پیدائش ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) بروز جمعہ بمقام قصبہ جلال متصل گکھڑ گوجرانوالہ میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم میں قرآن عزیز گھر پر والدہ محترمہ سے پڑھا۔پھر سکول داخل کر دیے گئے۔بعد ازاں مولانا عبدالحق صاحب خطیب گوجرنوالہ کے یہاں داخل کیے گئے۔ جہاں فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی۔دارالعلوم دیو بند سے مولانا عبید اللہ سندھیؒ علوم دینیہ کی تکمیل کر کے آئے تو تعلیم و تربیت کے لیے آپ کو ان کے سپرد کر دیا گیا۔جب نظارۃ المعارف القرآنیہ دیو بند سے دہلی منتقل ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء پر مولانا سندھیؒ نے آپ کو دہلی بلا لیا۔(۲۱)

درسِ قرآن کا آغاز:

۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو کابل بھیجا تو پیچھے دہلی کا سارا نظام آپ کے سپرد رہا۔ تحریک ریشمی رومال کے انکشاف کے بعد سب حضرات کے ساتھ آپ بھی گرفتار ہوگئے۔......''رہائی کے بعد آپ ۱۹۱۷ء میں لاہور تشریف لے آئے۔لاہور آتے ہی درس کی ابتدا کر دی کہ استاذ مکرم مولانا سندھیؒ سے وعدہ تھا کہ اشاعت قرآن کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔اس درس کا سلسلہ پہلے مختلف مقامات پر رہا۔بعد میں مسجد لائن سبحان خاں شیرانوالہ میں منتقل ہوگیا اور پھر تادمِ آخر یہیں رہا۔۱۹۱۷ء میں حج کا ارادہ کیا حج کے ساتھ ہجرت کا پروگرام تھا لیکن قدرتی اسباب مانع ہوئے۔خواب میں رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ ''واپس جاؤ۔ہم نے قرآن کی خدمت

اور اصلاحِ امت کا کام لینا ہے''۔ حج سے واپس آئے تو خلافتی پروگرام کے پیش نظر کابل ہجرت کر کے چلے گئے بعد میں مولانا سندھیؒ نے آپ کو واپس بھیج دیا۔ واپسی پر پھر درس کا سلسلہ باقاعدگی سے شروع فرما دیا''۔(۲۲)

ترجمۂ قرآن کا آغاز:

باقاعدہ ترجمہ قرآن کے لئے تحریری کام کی تجویز ۱۹۲۵ء میں ہوئی اور آپ حسب تجویز ''واہ'' تشریف لے گئے جہاں یہ کام مکمل ہوا اور ۱۹۲۷ء میں وہ مترجم ومحشّٰی قرآن شائع ہو گیا۔ ۱۹۲۴ء میں انجمن کی نگرانی میں مدرسہ قاسم العلوم جاری ہوا۔ اس مدرسہ میں سالانہ نصاب کے علاوہ تفسیر کا سہ ماہی نصاب بھی شامل تھا۔ اسی سہ ماہی کورس کے لیے حضرت مدنیؒ طلباء کو ترغیب دیا کرتے جب کہ بڑے بڑے علماء سفارشی خطوط دے کر طلباء کو لاہور بھیجتے۔ قاسم العلوم کی کی ذاتی عمارت ۱۹۳۴ء میں بنی، مولانا شبیر احمد عثمانی نے افتتاح کیا۔ اس سے پہلے عمارت کرایہ کی تھی اس مدرسہ کے شعبہ جات میں درس نظامی و دورہ تفسیر اور شعبہ حفظ و ناظرہ شامل تھے۔(۲۳)

مولانا لاہوری کا حسنِ تربیت:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، لاہور میں آپ کے پاس قرآنی علوم کے حصول اور تربیت وتزکیہ کی منازل طے کرنے کے لئے کچھ عرصہ تک شیرانوالہ گیٹ لاہور میں مقیم رہے۔ آپ نے حضرت لاہوری کی نجی، عوامی اور علمی زندگی کا مشاہدہ کیا۔ ان کی درویشی، حق گوئی، فہم قرآن اور للّٰہیت وخشیت کو بچشمِ خود دیکھا۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''میری زندگی میں وہ دن بڑا مبارک دن اور وہ بڑی سعید گھڑی تھی، جب مولانا احمد علی صاحب لاہوری امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ، لاہور سے نیاز حاصل ہوا۔۔۔ اگر مولانا احمد علی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بری بہر حال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی، اور شاید اس میں ادب وتاریخ اور تصنیف وتالیف کے سوا کوئی ذوق اور رجحان نہ پایا جاتا، خدا شناسی اور خدا رسی، راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیزیں ہیں، مولانا کی صحبت میں کم سے کم خدا طلبی کا ذوق، خدا کے نام کی حلاوت اور مردانِ خدا کی محبت، اپنی کمی اور اصلاح وتکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا، اور عامیوں کے لیے یہی بڑی دولت ونعمت ہے، بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے۔''(۲۴)

مولانا لاہوری کا تفسیر قرآن میں طرز:

آپ کا علوم وافکار ولّٰہی سے گہرا تعلق ہے اس لئے آپ حضرت شاہ صاحب کے فکر وفلسفہ کی روشنی میں طلبہ کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔ آپ نے اس حوالے سے ایک مخصوص طرز اختیار کیا تھا جس میں طلبہ کو امہات

تفاسیر کے مطالعہ کیساتھ ساتھ فہم قرآن میں سورت کا خلاصہ، ربط آیات ہر رکوع کا خلاصہ مع حوالہ آیات اور نکات قرآنی پر مشتمل تعلیم دیتے تھے۔نتیجتاً ان طلبہ میں قرآن مجید کے مضامین سے ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی۔مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد علی صاحب لاہوری برصغیر کے مشہور عالم دین، مجاہد جلیل اور شیخ طریقت تھے۔مولانا نے عربی مدارس کے طلبہ کے لئے ترجمہ اور تفسیر کی تعلیم کا مختصر پروگرام بنا رکھا تھا جس میں طلبہ کے اندر قرآن کریم کو سمجھنے اور پھر دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی''۔(۲۵)

مولانا لاہوریؒ نے طلباء کے لئے فہم قرآن کا جو نصاب متعین فرمایا تھا اس کا علمی تنوع عمق اور اثر پذیری خوب تھی، اس کے متعلق مولانا اخلاق حسین قاسمی لکھتے ہیں:

''مولانا لاہوریؒ، مولانا سندھیؒ کے نظارہ المعارف القرآنیہ کے رفقا میں سے تھے آپ نے اسی نقشہ پر انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور میں درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا، مولانا نے عربی مدارس کے فارغ طلباء کے لئے تین مہینہ کا نصاب مقرر کیا تھا۔اس مدت میں مولانا نے علماء عربی کو قرآن کریم کے معارف پر عبور حاصل کرا دیا کرتے تھے۔اور قرآنی علوم پر اظہار خیال کی جرأت پیدا کر دیا کرتے تھے۔ ہندو پاکستان کے مشاہیر علماء نے حضرت لاہوری کے اس نصاب سے استفادہ کیا ہے''۔(۲۶)

عربی کی امہات تفاسیر سے اس طرح تعلق خاطر پیدا کر کے قرآنی ذوق کی آبیاری کی جاتی تھی۔اس کی تفصیل ڈاکٹر کمال اللہ ندوی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں ایک بڑا شاندار کتب خانہ تھا، جس میں خصوصاً علم تفسیر پر کافی ذخیرہ موجود تھا۔اردو، عربی، فارسی زبانوں میں تفسیر کی بہت سی اہم کتابیں تھیں۔اور تلامذہ کو یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ کوئی نہ کوئی تفسیر اپنے مطالعہ میں خاص طور پر رکھیں اور یہ بھی ہدایت کی جاتی تھی کہ تقریرِ درس قلم بند کیا جائے اور جو کچھ بتایا جاتا ہے اس کو ضبط ذہن کر لیا جائے۔اور دوسرے دن پوچھنے پر بتایا جائے۔حضرت مولانا احمد علی لاہوری کا معمول تھا کہ درس سے قبل دو امتحان لیتے۔ پہلا امتحان مطالعہ کا ہوتا جس میں دریافت فرماتے کہ اس آیت پر امام رازی نے کیا کہا، ہے، امام بغوی نے کیا لکھا ہے امام آلوسی اور صاحب کشاف کی تفسیری تحقیقات کیا ہیں، تھوڑی دیر میں یہ جائزہ لے لیا جاتا کہ واقعی مطالعہ کیا گیا ہے یا نہیں، پھر درسِ قرآن کا امتحان ہوتا۔

''حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری کا خاص طرز یہ تھا کہ پوری سورۃ کا ایک مجموعی مضمون قرار دیتے اور اس پر بطور خلاصہ تقریر فرماتے ، پھر ہر رکوع کا مستقل ایک خلاصۂ مضمون بتاتے اور پھر مآ خذ پر روشنی ڈالتے کہ فلاں آیت سے فلاں آیت تک یہ مضمون مذکور ہے اور خصوصاً ربط آیات کو خصوصیت سے پیش فرماتے اور قرآنیات کو دور حاضر پر منطبق کرنے کی طرف توجہ دلاتے ،اسی طرح دوران درس بطور تاویل اور بطور اعتبار اجتماعیات کے لئے سیاسی اور عمرانی نکات مستنبط کیے جاتے'' ۲۷۔ ان حواشی و ترجمۂ قرآن میں عصر حاضر اس تعلق کی بناء پر قرآن مجید زندہ اور رہنما کتاب عملاً دکھائی دیتی ہے ۔ اوراللہ کی یہ کتاب، زمانۂ حال کے عمرانی، سیاسی، معاشی اور فکری مسائل کے حل وکشود کی جانب رہنمائی کرتی ہے ۔

پہلا عوامی درسِ قرآن:

آپ کے دروسِ قرآن دو انداز کے تھے ،ایک عوام الناس کے لیے، جس میں اصلاحی اور اجتماعی انداز غالب ہوتا تھا، دوسرا درس علماء وفضلاء کے لیے ہوتا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''لاہور میں بیٹھ کر تقریباً نصف صدی اس کی اشاعت کی، مدارس عربیہ کے فضلا کی بدولت جن کے لیے انھوں نے صرف ڈھائی تین مہینہ کا نصاب بنایا تھا، اور جوان مدارس کی تعطیل کے زمانہ میں ان سے استفادہ کے لیے آتے تھے،عمومی درسِ قرآن / یہ درسِ قرآن ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گیا۔۔۔ ، تصحیح عقائد، اصلاح رسوم ،ربط بالقرآن کا فائدہ زیادہ ہوا، یہ درحقیقت مولانا احمد علی صاحب کے تقوی اور روحانیت اور اخلاص و ایثار کی برکت تھی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں درس قرآن کے عمومی رواج اور لوگوں میں اس کی مقبولیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔'' (۲۸)

حق گوئی و استقامت:

مولاناؒ کے دروس اور تفسیری حواشی میں اس عزیمت وحق گوئی کا عکس نظر آتا ہے ۔قرآنی آیات سے اجتماعیت وسیاسیات کے اصول اخذ کر کے انہیں موجودہ ماحول پر منطبق کرنا اس ترجمہ کا خاص وصف ہے۔ آپ کا اخلاص ،قرآن مجید سے گہرا تعلق اور ایسی وابستگی جو مادی علائق سے ماورا ہے۔اس ضمن میں اگر انہیں وقت کے حکمرانوں کی اصلاح احوال پر توجہ دینی پڑتی تو آپ پوری جرأت کے ساتھ خیر خواہانہ نصائح فرماتے ،آپ کا درس **لاتخافون لومة لائم** کا نمونہ ہوتا تھا، مولانا ندوی اس کا نقشہ کھنچتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سب سے زیادہ مفید و موثر مولانا کی صحبت، ان کی زہدانہ اور مجاہدانہ زندگی، ان کا اخلاص، ان کا

قرآن مجید سے والہانہ تعلق اور اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کا بے قرار نہ جذبہ تھا، ان کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا، اور وہ ان کی روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا، ان کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ اور سخت کوتاہی تھی، میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ایک بچہ کا انتقال ہوا اس کی لاش گھر میں تھی، لیکن اس دن بھی انھوں نے درس کا ناغہ نہیں کیا، درس کے بعد حاضرین کو اس واقعہ کی اطلاع کی اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔''(۲۹)

مولانا احمد علیؒ لاہوری کی زندگی ،خدا ترسی ،قرآن فہمی ، حب رسول ﷺ اور انسان دوستی کی تابندہ مثال تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی درویشی ،استغناء اور اعیان سرکار کے سامنے کمال درجے کی حق گوئی جو انگریزی استعمار پر نقد و جرح سے شروع ہوئی اور پاکستانی حکمرانوں کے غلط اور خلاف شرع اقدامات پر بھی یہ تنقید اور حق گوئی جاری رہی۔ مولانا کا امتیازی وصف قرآن فہمی میں فلسفہ ولی اللّٰہی کو مرتب انداز میں پیش کرنا ہے۔

آپ کے دو نمایاں تلمیذ قرآنی:

آپ کے دورہ تفسیر سے مستفید ہونے والوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ آپ واحد ہستی تھے کہ جن دروس سے علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ نوجوان بیک وقت مستفید ہوتے تھے۔ اور ہر کوئی اپنے اپنے ظرف وصلاحیت کے مطابق ان سے اخذ واستفادہ کرتا تھا ،علماء کرام میں مولانا مفتی محمودؒ ،مولانا سرفرازؒ صفدر صاحب اور مولانا عبدالحمید سواتیؒ جیسے اکابر علماء نے آپ سے بھر پور استفادہ کیا اس کے علاوہ بھی طبقہ علماء میں آپ کے سینکڑوں شاگرد تھے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں علامہ علاؤالدین صدیقی (سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) اور علامہ شبیر بخاری نمایاں تھے۔

ہندوستان میں آپ کے دو نمایاں شاگرد ایسے تھے جنہوں نے آپ کے طرز پر اپنے حلقہ اثر میں دروس قرآنیہ کے حلقے قائم کیے۔ اور علوم قرآنی کے فیضان کو عام تر کیا۔ مولانا کمال اللہ ندوی لکھتے ہیں:

''شیخ المفسرین حضرت مولانا احمد علی راشدی لاہوری کے ان دو نامور تلامذہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی اور داعی احسان ومفسر قرآن حضرت مولانا سید شاہ صبغت اللہ حسینی بختیاری کی یہ نمایاں خصوصیت اور یادگار خدمت رہی کہ اول الذکر نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ترجمہ قرآن کی شروعات کی تو موخر الذکر نے جامعہ دارالسلام ،عمر آباد ،تمل ناڈو میں ترجمہ قرآن کی بنیاد رکھی۔ اس سے قبل برصغیر کے مدارس عربیہ ودینیہ میں راست ان کتب تفاسیر ہی سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ جنہیں مراجع کی حیثیت حاصل ہے۔ ان دو حضرات کی مساعی جمیلہ سے شمالی ہند اور جنوبی ہند کے اکثر و بیشتر مدارس میں ترجمہ قرآن کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا''۔(۳۰)

سانحۂ وفات:

مولانا علی میاںؒ ندوی، حضرت لاہوریؒ کی زندگی کے اس دور پر کہ جب قرآن کے پیغام کا ابلاغ اور لوگوں کی اصلاح آپ کا وظیفہ حیات بن چکا تھا بے لوثی و استغنا اور للّٰہیت کا اس دور آخر میں غلبہ تھا۔ اس طرح سے تبصرہ فرماتے ہیں:

''اور آخری زندگی میں تو یہ حال ہو گیا کہ لوگ دور دور سے پروانہ وار آتے اور ایک ہجوم رہتا، اسی کے ساتھ آپ کی مشغولیت اور انہماک بھی بڑھتا گیا، بعض اوقات ناشتہ کی نوبت ہی نہ آتی دوپہر کے کھانے میں بھی بہت دیر ہو جاتی آخر میں سر برآوردہ اور صاحب وجاہت اشخاص کو بھی کئی کئی دن کے انتظار کے بعد ملاقات کا موقع ملتا، اس بارہ میں میں آپ کا معاملہ مقبولین خدا، اور اولیاء اللہ کے مشابہ تھا کہ جتنا سفر آخرت کا وقت قریب آتا جاتا تھا، لوگوں کی عقیدت و محبت بڑھتی جاتی تھی، اور نفع اور افادہ کی مقدار بھی اسی کے بقدر، بالآخر وہ وقت آ گیا کہ نصف صدی کا پر مشقت اور طویل مجاہدہ کا سفر طے کرنے والا اپنی آخری آرام گاہ پر پہنچے اور اپنی محنت و وفاداری کا انعام پائے، ۱۳۸۱ھ کے رمضان المبارک کی ۱۸ تاریخ مطابق ۲۳/فروری ۱۹۶۲ء کو حاضری کا پیام آ گیا، اور نمازِ عشا میں بحالت سجدہ انتقال ہوا، اور خادم قرآن، قرآن کے نازل کرنے والے کے جوارِ رحمت میں پہنچ گیا، جنازہ میں لوگوں کا پروانہ وار ہجوم اور اجتماع عظیم کا وہ منظر تھا، جو لاہور کے عظیم شہر نے مدت دراز سے نہیں دیکھا تھا، اور شاید مدت دراز تک نہ دیکھے، غروب آفتاب کے ساتھ تبلیغ و اشاعت دین کا یہ آفتاب بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور خاک کے پردہ میں نہاں ہو گیا اور سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے وہیں افطار کیا اور بادیدۂ نم واپس آئے۔ مولانا جب لاہور آئے یا لائے گئے تو تنِ تنہا تھے، اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا تھا، لیکن جب اس شہر کو داغ مفارقت دیا تو خدا کے ہزاروں بندے سوگوار اور ان کے فراق میں اشک بار تھے۔(۳۱)

"تلك الدارالاخرة نجعلها للذين لايريدون علواً فى الارض ولا فسادًا والعاقبة للمتقين"۔(۳۲)

مولانا احمد علی لاہوری نے قرآنی پیغام کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ اپنے ذی صلاحیت تلامذہ کی ایک جماعت تیار کی اور برصغیر میں دروس قرآنیہ کے حلقے قائم کیے۔ علماء کرام اور باصلاحیت وصالح جدید تعلیم یافتہ افراد

کی قرآنی فکر سے ذہن سازی کی انہوں نے قرآن کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل بتایا۔

ترجمۂ قرآن کا تعارف اور داخلی مطالعہ

مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مجوزہ ترجمۂ قرآن کے سر ورق پر تاریخ، ۱۳۸۲ھ درج ہے۔مترجم کا نام ''حضرت مولانا حاجی احمد علی'' مرقوم ہے ۔زیر اہتمام انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور۔پیشِ نظر اشاعت چوتھی ہے جو۱۴۱۳ھ کو ہوئی۔نسخۂ ھٰذا کے صفحات کی تعداد ۹۶۶،ہے۔ابتدا میں فاضل مترجم کی ایک دعا و التجا ہے۔ صفحہ نمبر۳ تا ۸ تک انجمن خدام الدین کا تعارف اور مختلف خدمات کا ذکر ہے۔(۳۳)

علماء کی تقاریظ:

نسخۂ ہذا میں ترجمہ وتفسیری حواشی کے متعلق چودہ ، چیدہ ترین علماء کی تقاریظ ہیں ۔جن میں مختلف پہلوؤں سے اس ترجمہ وحواشی کے فوائداور خصائص بیان کیے گئے ہیں اور علمائے کرام کے ساتھ ساتھ عوام النّاس کو بھی اس ترجمہ وحواشی سے استفادہ کی تلقین کی گئی ہے۔ان حضرات علماء اور محققین نے مختلف پہلوؤں سے ترجمہ ہذا وتفسیری حواشی کی تعریف کی ہے اور اس کے نمایاں خصائص پر روشنی ڈالی ہے ۔(۳۴) اس کے بعد انجمن خدام الدین کے ذمہ داران نے مولانا کا سوانحی خاکہ اور علمی تعارف کروایا ہے جو صفحہ نمبر ۴۹ تا ۵۴ تک پھیلا ہوا ہے ۔

جامع قرآنی اشاریہ:

اس اشاریہ کو فہرست مضامینِ قرآنیہ کا عنوان دیا گیا ہے، جو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر عنوان کے نیچے چار خانے ہیں، پہلے میں سورۃ کا نمبر، دوسرے میں سورۃ کا نام، تیسرے میں آیات کے نمبر، چوتھے حصّے میں آیات کے ابتدائی الفاظ لکھ کر...... تا آیات کے آخر حصے اور دیگر آیات کے حوالے دیے گئے ہیں۔ مثلاً کتابِ عقائد کے حوالے سے اول عنوان'' توحیدِ باری تعالیٰ'' ہے۔ پھر اس میں توحید کے بیان پر تیرہ ذیلی عنوانات شامل ہیں۔(۳۵)

اس طرح ان ابواب وعنوانات کی تعداد پونے دوصد (۱۷۸) تک وسعت پذیر ہوگئی ہے ۔اس اشاریہ قرآنی سے مولانا لاہوری کی قرآن فہمی کی گہرائی اور اس میں انکی وسعت فہم وتعمق کا علم ہوتا ہے ۔ کچھ عنوانات تو روایتی ہیں ،لیکن متعدد مقامات پر آپ نے ولی اللٰہی اسلوب پر معاشرت واجتماعیت سے ان کو اس طرح جوڑا ہے کہ وہ عنوانات تازہ تر دکھائی دیتے ہیں۔ اس میں عقائد، احکام، عبادات،معاملات،اخلاقیات،معاشیات،تقابل ادیان،تزکیہ نفوس ،تدبیر منزل،سیاست مدن،اور فطرت انسانی کے مقتضیات تک کا آپ احاطہ کیے ہوئے ہیں ۔اور حکمت وہدایت قرآنی کی وسعت وتنویر سے زندگی کا کوئی گوشہ اوجھل نہیں رہا۔

اس کے بعد قرآن مجید کی سورتوں کی فہرست ،صفحہ نمبر کی تحدید کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔اسی طرح تیس پاروں

کی فہرست نسخۂ ہٰذا کے حوالہ صفحات کے ساتھ دی گئی ہے۔ پھر اسماء الحسنٰی اور اسماء النبی ﷺ کو زیبِ قرطاس کیا ہے۔

کل صفحات ۹۹۶ ہیں، ہر صفحہ میں گیارہ سطور ہیں، آیت کے نیچے ترجمہ ہے۔ صفحہ کے ایک جانب مختصر تفسیری حاشیہ ہے۔ جس میں بالعموم ایک عنوان، ربط آیات کا، اور ایک عنوان چھوٹے سے چوکھٹے کے اندر خلاصۂ رکوع کا ہے، جس میں ماخذ کے حوالہ سے متعلقہ آیات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ متن کے آخر میں فاضل مترجم نے اپنے اس ترجمہ کی انفرادیت کا ذکر کرتے ہوئے اس کے جملہ حقوق اشاعت دائمی طور پر انجمن خدام الدین لاہور کو دینے کا اعلان فرمایا ہے۔(۳۶)

بنیادی اسلوب:

یہ ترجمہ وتفسیری حاشیہ، دعوتی، فکری اور فلسفہ ولی اللّٰھی کے اسلوب کا حامل ہے۔ جس میں قرآن مجید کے نظریۂ تربیت وتعلیم کے ساتھ ساتھ انفرادی کردار کی تعمیر کے لوازم اور اجتماعیت کے اصول وضوابط پر روشنی ڈالی ہے اور عقائد، معاملات، عبادات، تدبیرِ منزل، تزکیہ واحتسابِ نفس، اخلاقِ عالیہ کی ترویج وتکمیل، رزائل سے اجتناب و بُعد، انفرادی واجتماعی ذمہ داریوں کا تعین اور معیشت واقتصاد، سیاست واجتماعیت کو مربوط انداز پر ایک جامع نظامِ فکر وعمل کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اس میں بالخصوص علوم ولی اللّٰھی سے اخذ واستفادہ کیا گیا ہے۔

عمومی خصائص:

اول: با محاورہ ترجمہ اور اس میں حلِ اشکالات کی سعی،

دوم: ربطِ آیات کا التزام

سوم: خلاصہ رکوع، جو چند نپے تلے لفظوں میں ہوتا ہے۔

چہارم: ربطِ سور کا اہتمام

پنجم: خلاصۂ سورۃ، جس میں مغزِ سورۃ کو اُردو کے جامہ میں ایجاز کی حد تک اختصار سے لکھا جاتا ہے۔

ششم: فقہی مسائل کا استنباط اور ان کا اطلاق۔

ہفتم: شاہ ولی اللہ کے تتبع میں جامع وحکیمانہ انداز۔

تفسیری حواشی کی نمایاں خصوصیات

(۱) خلاصۂ سور:

مولانا لاہوریؒ، کمال بصیرت کے ساتھ اولاً ہر سورۃ کا خلاصہ اور مرکزی مضمون از حد اختصار کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید کی سب سے طویل سورت، سورہ بقرہ کا خلاصہ دیکھئے، کس قدر عمیق ولطیف

ہے۔رکوع ایک تا اٹھارہ مناظرہ بالیہود ،انیس تا بیس تہذیب اخلاق ،بیس تا تئیس تدبیر منزل ،چوتیس تا اکتیس، سیاست مدینہ کے دوشعبے، ملک گیری وملک داری، رکوع بتیس تا آخر سورہ، خلافت کبریٰ ۔(۳۷)

سورہ فیل کا خلاصہ کا عنوان ''توہین لشعائر اللہ سے دائمی ذلت کا لزوم''یعنی آج جو شعائر اللہ کی توہین کا مرتکب ہوگا اس کا انجام بھی اصحاب الفیل جیسا ہوگا ۔اس مخصوص احوال کی سورت کے نتائج کو عام کر کے قیامت تک اس کے اطلاق میں وسعت پیدا کردی۔خلاصہ سورہ قریش فرائض علماء کرام وصوفیاء عظام ۔خلاصہ سورہ کوثر اصول ہزیمت اعدائے اسلام ۔(۳۸)

تفسیری لٹریچر میں بالعموم سورہ لہب کے حوالے سے ابولہب کی دسیسہ کاریوں پر تبصرہ کیا جاتا ہے،لیکن اس کا کوئی تعلق حالات وزمانہ پر منطبق نہیں کیا جاتا۔ فاضل مفسر کمال اختصار کے ساتھ یہ خلاصہ درج کرتے ہیں جس کا تعلق آج کے حالات سے بھی جڑ جاتا ہے اور قرآن مجید زندہ کتاب معلوم ہوتی ہے ۔آپ بطور خلاصہ لکھتے ہیں کہ:''تبلیغ حق میں حارج،نوع ابی لہب میں داخل ہے''۔(۳۹)

اس طرح سے محض عنوان کی بدولت ہی پوری سورت کا جامع خلاصہ سامنے آجاتا ہے ۔حالات حاضرہ پر انطباق وتطبیق سے اس کی جامعیت سمجھ آجاتی ہے کہ آج بھی جو فرد یا طبقہ اہل دین کا تمسخر اڑائے گا ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کرے گا تو ایسے افراد وطبقات کا ذہنی وعملی تعلق اصلاً ابولہب سے ہے ۔انہیں ''شرارِ بولہبی'' کا ترجمان سمجھا جائے گا ۔اس طریقہ پر سور قرآنیہ سے اصولوں کا استخراج واستنباط اور ان کا انطباق آپ کے نمایاں خصائص تفسیر میں سے ہے۔

(۲) موضوع سورۃ:

سورتوں کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ آپ اکثر جگہ سورتوں کے مرکزی موضوع کا تعین کرتے ہیں جو بڑا معنی خیز اور جامع ہوتا ہے کسی جگہ مختصر عنوان دے دیتے ہیں جو سورۃ کے جملہ مشمولات کا احاطہ کیے ہوتا ہے،سورۃ کا آپ کی قرآن فہمی کا ایک خاصہ یہ ہے کہ بڑے جامع انداز میں سورت کا موضوع متعین کرتے ہیں ۔ جو سورت میں مذکور آیات کا مقصود وخلاصہ ہوتا ہے جیسے سورۃ الملک کا موضوع ملاحظہ ہو۔

''مخالفین سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نظام عالم کا بادشاہ مان کر وفاداری کا ثبوت دو''۔(۴۰)

سورۃ القلم کا موضوع کس قدر معنی خیز ہے۔

''اگر اس دین کو خود ساختہ سمجھتے ہو تو تمہارے ہاتھ میں بھی قلم ہے ایسا قرآن لکھ کر لادو''(۴۱)

مجازات سے پہلے جس تنبیہ کی ضرورت ہے وہ بذریعہ ارسال رسل ہوگی تاکہ گرفت کے وقت یہ کہنے نہ

پائیں کہ ہمیں بلا اطلاع گرفت کی گئی۔(۴۲)

سورہ یوسف اور نبی کریم ﷺ کے حالات میں جو مماثلت ہے کہ کس طرح ابتلاء وآزمائش کے کٹھن مراحل سے سابقہ پیش آیا اور آخرالامر قیادت انسانیت کا اعزاز عطا فرمایا۔ان سارے مراحل کے مباحث کا عنوان کس قدر معنی خیز ہے۔یعنی ''رسول اللہ ﷺ کے مستقبل کے متعلق پیشین گوئی''۔(۴۳)

سورۃ مزمل کا عنوان کیسا منفرد و جامع ہے ''دستور العمل مبلغ''(۴۴)

یہ موضوع کس طرح سے سورۃ مزمل کا احاطہ کرتا ہے۔ترتیل،تبتل،تسبیح،عبادت توکیل،صبر اور دیگر متعلقہ موضوعات کا بخوبی خلاصہ کیا گیا اس میں جو صوری ومعنوی ربط ہے،وہ اہل علم سے مخفی نہیں دیگر موضوعات سور بھی اسی طرح کی تفسیری لطافتوں کے حامل ہیں۔

(۳) ربط آیات:

مولانا لاہوریؒ اس کا اہتمام سب سے زیادہ کرتے ہیں خلاصہ رکوع اور ہر دو رکوع یا موضوعات کے درمیان بامعنی وحکیمانہ ربط پیدا کردیتے ہیں اس ربط کی تفہیم کے سبب کئی اشکالات از خود رفع ہو جاتے ہیں۔اور قرآن مجید ایک مسلسل ومربوط کلام دکھائی دیتا ہے۔جیسے سورہ الم نشرح کا یہ ربط کس طرح دافع اشکال بن رہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''اللہ تعالی آپ ﷺ سے (خدانخواستہ) بیدار کیسے ہو بلکہ اس نے تو آپ کی شرح صدر فرمائی۔اور علاوہ اس کے یہ انعام بھی کیا کہ اصلاح امت کے لئے جس قانون کی ضرورت تھی وہ عطا فرما کر آپ کا بوجھ اتار دیا اور آپ کا ذکر خیر شرط ایمان میں سے ہے آپ نہ گھبرائیں عُسر کے بعد یُسر لازمی ہے،تبلیغ رسالت سے فراغت کے وقت یہ کام (انفرادی عبادت) کیجئے''۔(۴۵)

(۴) خلاصۂ رکوع:

مولانا موصوف،ہر رکوع کا خلاصہ بڑے التزام کے ساتھ محض چار پانچ لفظوں میں لکھتے ہیں جیسے سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع کا خلاصہ،یہود کو دعوت الی الکتاب واوصاف متقی۔(۴۶)

سورۃ البقرہ کے تیسرے رکوع کا خلاصہ تذکیر بالاء اللہ سے منافقین کی اصلاح کا قانون،خلاصہ رکوع پانچ، نئی مُلْهِمْ مِنَ اللّٰهِ جماعت کی ضرورت،کیونکہ یہود ناکام ہو چکے ہیں۔(۴۷)

خلاصہ رکوع چھ،سورہ بقرہ،تذکیر بالاء اللہ ومابعد الموت سے یہود کو دعوت الی الکتاب اور ان کا بدوی سے قروی زندگی میں فیل وناکام ہو جانا۔اور متعلقہ آیات کو بطور مآخذ ذکر کرتے ہیں۔(۴۸) پھر سورۃ الاعلیٰ کا خلاصہ بطور

رکوع بیان کرتے ہیں ضرورت نبوت اور طریقہ تعلیم نبوت۔(۴۹)
اسی طرح ایک سورۃ کا دوسری سورۃ سے معنوی ولفظی ربط بیان کرتے ہیں۔

مولانا علی میاں، حضرت لاہوری کے درس قرآن کی خصوصیت معمولات اور قرآنی بصیرت سے اس طرح آگاہ کرتے ہیں''...... فجر کے بعد ذرا دن چڑھے سبق شروع ہو جاتا اور کئی کئی گھنٹے جاری رہتا، مولانا عبیداللہ سندھی نے ہر رکوع کا خلاصہ اردو کے چند جملوں میں کر رکھا تھا، طلبہ کو وہ اور اس کا ماخذ ازبر کرنا پڑتا تھا، اسی طرح ہر سورہ کا عمود یعنی مرکزی مضمون مقرر تھا۔''(۵۰)

اس طریقہ تفہیم کی بدولت قرآن مجید کا ہر رکوع ماقبل ومابعد سے مربوط ہو جاتا ہے۔اور اس ربط کی بدولت کئی اشکالات رفع ہو جاتے ہیں۔اور قرآن فہمی کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔

(۵)فقہی مسائل کا استنباط:

مولانا موصوف عالم اجل ہیں، فقہ میں آپ کی دلچسپی ہے، اور بالخصوص فقہ حنفی کے فلسفہ اور اس کے اصولوں کے ماہر و متخصص ہیں۔اس لئے جہاں قرآن مجید میں انسانی مسائل سے متعلق آیات آتی ہیں وہاں مولانا اپنے مخصوص انداز سے فقہی استنباط کرتے ہیں مثلاً عائلی زندگی کے حوالے سے نکاح، رضاعت، طلاق، اور وراثت وغیرہ امور میں مولانا لاہوری، مسائل کی نوعیت کے اعتبار سے فقہی استنباط اور فقہ حنفی کے اصولوں سے استخراجِ نتائج کرتے ہیں۔اس باب میں کبھی آپ فقہاء احناف کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔اور کبھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔اور بعض مقامات پر فقہاء احناف کے موقف ودلائل کے راجح ہونے کی وجوہات بیان کرتے ہیں۔اسکے ساتھ ساتھ آپ بتاتے ہیں کہ فقہ حنفی کو ان معاملات میں قرآن کی مؤیدات میسر ہیں۔ایسے میں مولانا کا فہم قرآن اور فقہی تفہیم کی وسعت بیک وقت ہمارے سامنے آتی ہے اور مولانا اپنے خاص کلامی انداز میں آیات قرآنیہ اور فقہ حنفی کے فلسفہ میں توافق اور تطابق پیدا کرتے ہیں۔

ایسے میں متعلقہ آیات کی توضیح کے حوالے سے آپ کے حواشی کا عنوان ''مسائل مستنبطہ'' ہوتا ہے۔(۵۱)

مولانا چونکہ ایک مضبوط اجتماعی فکر رکھتے ہیں اس لئے وہ فقہی مسائل سے اجتماعی وسیاسی استدلال بھی کرتے ہیں۔جیسے سورہ بقرہ، آیت ۲۲۳ والوالدات یرضعن ---تا--- بصیر، کے حوالے سے تشریحی نوٹ میں لکھتے ہیں:

> ''یہاں تک قرآن میں مرکزی حکومت کا ذکر تھا، اب آئندہ اس قانون کا ذکر ہے جو دوسری قوموں پر حکومت کے لئے ضروری ہے۔نوزائیدہ بچے کے حق میں جس طرح دونوں ماں باپ

تربیت کی کوشش کرتے ہیں، باپ تو روپے پیسے سے امداد کرتا ہے اور ماں دودھ پلاتی ہے اسی طرح حاکم اور رعایا کی متفقہ کوشش سے جو ملک فتح ہونگے وہاں کی رعایا کی مثال بعینہ نوزائیدہ کی سی ہو گی، لہذا حاکم کا فرض ہے کہ امن اتنا قائم رکھے کہ رعایا علوم صحیحہ اور تعلیم صحیحہ کو (جو بمنزلہ شیر مادر کے ہے) ان لوگوں کو بخوبی پہنچا سکے اور ان کے اخلاق کی صحیح طریقہ پر تربیت ہو سکے''۔(۵۲)

سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۷ کے حوالے سے عائلی مسائل اور اجتماعی وسیاسی معاملات میں کس لطافت کے ساتھ موافقت ومطابقت پیدا کرتے ہیں:

''میاں بیوی کو متارکہ کے وقت آپ میں عفو اور فضل کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح راعی اور رعایا کے متارکہ کے وقت بھی ایک دوسرے پر عفو اور فضل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مثلا راعی جاتے جاتے نافذ کردہ اصلاحات کو مٹانے کی کوشش نہ کرے اور رعایا رخصت کرتے وقت راعی کو نہایت عزت واحترام اور خلوص سے رخصت کرے''۔(۵۳)

(۶) حکیمانہ انداز:

قرآن کی اپنی ایک الگ شان ہے۔ اس کے مباحث میں جو اشارے کنائے ہیں ان کو سمجھنا اور ان کی ایسی توجیہ کرنا جو دافع اشکال ہو اور قاریٔ قرآن کو ولکن لیطمئن قلبی کی کیفیت بھی عطا کرے۔ اس تفسیری حاشیہ میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں مولانا احمد علی ،قرآنی مقامات کی ایسی حکیمانہ توضیح کرتے ہیں جو دافع اشکالات ہوتی ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ،انہیں مسجود ملائک بنانا فرشتوں کے ساتھ ،اللہ کا مکالمہ کرنا وغیرہ۔ اس تناظر میں جنت کی سکونت کی لمّیت سمجھ نہیں آتی۔ مولانا موصوف ،سورۃ البقرہ کی آیت ۳۵، **وقلنا یادم اسکن انت** کے تحت لکھتے ہیں:

''دونوں حضرات قانون خلقتِ انسان کے خلاف پیدا ہوئے ہیں لہذا قویٰ طبعیہ اس قابل نہیں کہ فوراً دنیا میں کما کر کھائیں لہذا چند روز کے لئے جنت میں قیام کروایا گیا''۔(۵۴)

یہ چھوٹی سی عبارت کس خوبی سے اشکالات کو حل کرنے کا سبب بن رہی ہے۔اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام جب بحکم الہی اپنی قوم کو لے کر نکلے اور اللہ نے انہیں ظلال ،عیون ،اور من وسلوی کی نعمتیں عطا کیں ، یہاں قوم بنی اسرائیل کی غلامانہ نفسیات عود کر آئیں ۔ اور انہوں نے حضرت موسی سے کہا کہ اللہ سے عرض کرو کہ ہمیں ارضی سبزیات دیں ۔ اس مطالبہ کی اصل ان کی ذہنی پستی وخوئے غلامی تھی اس مقام کو مولانا لاہوری کتنی حکیمانہ بصیرت سے حل فرماتے ہیں:

''یہود کا قریہ سے نکل کر دوبارہ جنگل میں آنا اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے پانی کا ملنا، پھر عالم مثال کی قویٰ سے پیدہ شدہ پاکیزہ ترین لطیف غذا کی بجائے مادی اور کثیف غذا کا مطالبہ جو پہلی غذا بہت ہی کم درجہ رکھتی ہے۔ پھر شہری زندگی میں قدم رکھنا اور وہاں بھی ناکام رہنا۔ ذلت ومسکنت، غضب الٰہی، کفر بایات اللہ، قتل الانبیاء، عصیان یا عدوان، ان تینوں نمبروں میں جو ذکر میں سب پر مقدم ہے وہ تحقق میں سب سے مؤخر اور جو ذکر میں سب سے مؤخر ہے وہ تحقق میں سب پر مقدم ہے۔''(۵۵)

(۷) افکارِ ولی اللّٰہی کی ترجمانی:

مولانا کا خصوصی وصف، جو انھیں اپنے معاصرین سے ممتاز کرتا ہے، وہ حضرت شاہ ولی اللہ کی قرآنی بصیرت کو اوّل تا آخر اپنے اندر سمو لینا ہے۔ چنانچہ آپ کے تفسیری حواشی میں حضرت شاہ ولی اللہ کی فکر کا عکس غالب ونمایاں ہے۔ شاہ صاحب کی مخصوص قرآنی اصطلاحات، جیسے تذکیر بآ اللہ، تذکیر بایام اللہ اور مخاصمہ بالیہود و النصاری، جا بجا نظر آتی ہیں۔ جیسے سورہ نحل کی ابتدائی آیات کے متعلق لکھتے ہیں:

''تذکیر بالاء اللہ کے ذریعے سے دعوت الی التوحید''(۵۶)

اس طرح کی کئی مثالیں مذکورہ ترجمہ وحواشی میں موجود ہیں۔ جہاں پر مولانا احمد علی لاہوری، شاہ صاحب کی وسعتِ فکر ونظر اور اجتماعی نظم وسیاست کے حوالے سے مولانا لاہوری ان سے بھرپور استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔

(۸) ولی اللّٰہی افکار سے خصوصی استفادہ کے اثرات وثمرات:

حضرت شاہ ولی اللہ، کی فکر وفلسفہ میں جو وسعت، تعمق اور جامعیت کی شان ہے۔ اس سے استفادہ کے سبب دین کے ہر شعبے کی جامع تعبیر کی جاسکتی ہے۔ جس کی بدولت باہمی انتشار وافتراق پر قابو پا کر معاشرے کی عملی، فکری اور اصلاحی وجامع تعمیر وتطہیر کی جاسکتی ہے۔ حضرت لاہوریؒ، چونکہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگرد ہیں۔ اس لیے حضرت لاہوریؒ کے ہاں علومِ ولی اللّٰھی سے اخذ واستفادہ وسیع بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔ کہیں معیشت و اقتصاد کی بحث ہو یا اجتماعیت وسیاست کا کوئی شعبہ ہو، اس ترجمہ وحاشیے میں فکرِ ولی اللّٰہی پس منظر میں صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ جیسے سورۃ الحشر کے دوسرے رکوع کے خلاصے میں لکھتے ہیں:

''فنائے سلطنت کے اسباب، تفصیل یہ ہے کہ جس وقت کسی قوم میں منافق پیدا ہو جائیں جو بظاہر اپنی قوم سے ملتے رہیں اور درپردہ اپنی قوم کے دشمنوں سے ساز باز رکھیں اور بجائے اپنی قوم کے

دشمنوں کی خیر خواہی میں منہمک رہیں ایسے وقت میں اس قوم کی سلطنت کو زوال آتا ہے۔لہٰذا اس رکوع میں مسلمانوں کو اس نالائق طبقے کے حالات سے مطلع کیا گیا ہے۔ تاکہ ان سے بچیں۔''(۵۷)

شاہ صاحب جس طرح فلسفیانہ انداز میں بات سمجھاتے ہیں۔اور مسلسل عقلی دلائل دیتے ہیں۔مولانا احمد علی بھی ان کے تتبع میں اسی طرح کا کلامی اور عقلی انداز اختیار کرتے ہیں۔جیسے

''خزائن قدرت الٰہیہ ابل رہے ہیں اور خدائے قدوس وحدہ لاشریک لہ نے عقل دے دی ہے لہٰذا عقل کے ذریعے ترکیب وتحلیل اشیاء سے رزق کماؤ''۔(۵۸)

(۹) شاہ ولی اللہ جیسا تطبیقی وتوفیقی انداز:

مختلف ومخالف آراء میں باہم مطابقت پیدا کرنا، شاہ صاحب کا خاص فن ہے۔کبھی یہ تطبیق، فقہی معاملات میں پیش آتی ہے اور کہیں فہمِ قرآنی میں۔اس میں ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے جو جدت وندرت کے ساتھ ساتھ دین ودنیا میں مطابقت پیدا کردے۔سورہ آل عمران کی آیت ۱۴ کے بیانِ ربط میں لکھتے ہیں:

''حق پرستوں کی کامیابی کا باعثِ اصلی یہ ہے کہ خُدا پرست میدانِ جنگ میں مرنے کے لیے آتا ہے اور آخرت کا مُنکر کافر بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔مرنے کے خیال سے میدان میں آنے والا ایک بھی ایسے ہزار آدمیوں پر بھاری ہوسکتا ہے جو جان بچانے کو مقصد بنا کر آئیں۔جن لوگوں نے اپنے آپ کو قانون کا پابند بنانے کے لیے دُنیاوی لذات ترک کردی ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو ان سے بہتر نعمتیں ملیں گی۔دنیاوی چیزوں اور موعُودہ چیزوں میں اشتراک محض لفظی ہے۔یہ تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور اعلیٰ فلاسفر بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔''(۵۹)

(۱۰) شاہ ولی اللہ کی علمی اصطلاحات کا استعمال:

فاضل مترجم کا قرآنی بصیرت کے حوالے سے ایک خصوصی مرجع حضرت شاہ ولی اللہ کی ذات گرامی ہے ان کی فکر کا عکس یہاں حاشیہ وترجمہ میں دکھائی دیتا ہے اور شاہ صاحب کی اصطلاحات کو اکثر جگہ استعمال کیا جاتا ہے فاضل مترجم نے اپنے ترجمے وحواشی میں اس کا خاص لحاظ رکھا ہے۔جیسے الفوز الکبیر میں ''علومِ خمسہ'' کی اصطلاح اور شاہ صاحب کی دیگر جامع اصطلاحات کو ترجمہ وحواشی میں جابجا استعمال کرتے ہیں۔جیسے سورۃ البقرہ کے رکوع نمبر۳ میں؛ تذکیر بآلاء اللہ سے منافقین کی اصلاح کا قانون۔(۶۰)

اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳ کا ربط بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں؛ تذکیر بآلا اللہ سے متاثر ہو کر اگر

اللہ سے رابطہ جوڑنا چاہتے ہوتو اتباعِ قرآن کرو۔(۶۱)

پھر سورۃ بقرہ کے رکوع نمبر چھ کا خلاصہ کا عنوان ہے''تذکیر بآلااللہ و بما بعد الموت سے یہود کو دعوت اِلی الکتاب۔(۶۲)

جس کثرت وتواتر سے آپؒ نے ولی اللّٰھی اصطلاحات کا استعمال اور استفادہ کیا ہے، شاید ہی کسی دیگر مترجم ومحشی نے اس وسعت کے ساتھ اخذ واستفادہ کیا ہو۔

(۱۱) مخاصمہ کا ولی اللّٰہی انداز:

الفوز الکبیر میں مذکور''علوم خمسہ'' میں ایک علم''علمِ مخاصمہ'' ہے۔جس میں شاہ ولی اللہؒ نے مخاصمہ بالیہود و النصاریٰ والمنافقین کے انداز کی وضاحت اور اس کی متعدد قرآنی امثلہ پیش کی ہیں۔ فاضل مترجم نے اپنے حواشی میں مخاصمہ کی کہیں اصطلاح استعمال کی ہے اور کہیں اس مخاصمہ کے انداز سے استفادہ کیا ہے۔ بادی النظر میں یوں لگتا ہے کہ جیسے علومِ ولی اللّٰھی سے استنباط کیا جارہا ہے۔جیسے سورۃ البقرہ کی آیت ۷۶ تا ۸۰ کا ربط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ ذووجہین ہیں، ان کی شرارت اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتی،جُہّالِ یہود کا مبلغِ علم،علمائے یہود کا علمی مذاق باوجود سابقہ کمزوری کے اپنی نجات کا وثوق''(۶۳)

سورۃ البقرہ کی آیت ۸۹ تا ۹۱ کا ربط آیت ملاحظہ ہو:

> ''جس کتاب کی تعلیم کو قلوبنا غلف کہہ کر ٹال رہے ہیں اس کے نزول سے پہلے اسی کی برکت سے دشمنوں پر فتح کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔قرآن مجید سے انکار محض اس لیے کر رہے ہیں کہ یہ نعمت بجائے بنی اسرائیل کے بنی اسمٰعیل کو کیوں عطا ہوئی۔قرآن پر ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم فقط تورات کو مانتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم اور تورات اصولاً دونوں ایک ہیں دراصل تورات پر عمل کرنے اور ماننے کا دعویٰ بھی غلط ہے ۔ ورنہ وہ اپنے انبیا علیہم السلام کو قتل نہ کرتے۔''(۶۴)

ان مقامات میں جامع اختصار کے ساتھ فکرِ ولی اللّٰھی سے استفادہ صاف نظر آرہا ہے۔اسی طرح منافقین اور نصاریٰ کے ساتھ ولی اللّٰھی انداز کے مخاصمے کی کئی امثلہ،اس ترجمہ وحواشی میں موجود ہیں۔(۶۵)

خلاصۂ بحث:

مولانا احمد علی لاہوری کے یہ تفسیری حواشی اپنی ان خصوصیات،خلاصۂ سور ورکوع،استنباط مسائل،نظمِ قرآن

کے اہتمام اور شاہ ولی اللہ کے افکار سے استفادہ کے سبب بہت جامع ومانع اور ہمہ گیر ہیں ۔ان حواشی کی ایک خصوصیت نئے قرآنی عنوانات قائم کرنا ہے ۔جن میں ندرتِ فکر کے ساتھ ساتھ اتنی تازگی ہے وہ آج کے حالات پر بھی منطبق ہو سکتے ہیں ۔ جیسے سورہ لہب کا یہ خلاصہ کس قدر فکر انگیز اور لمحہ موجود سے بھی متعلق ہے،''دین میں حارج ،نوع ابی لہب میں داخل ہے'' ۔اس طرح کے متعدد عنوانات، استنباطِ فکر کی ندرت کے سبب بڑے منفرد ہیں ۔ بایں وجوہ، یہ تفسیری حاشیہ ایک طرف اسلاف کی فکر کا نمائندہ ہے، دوسری جانب آج کے حالات میں بھی ہماری بھرپور رہنمائی کرتا ہے ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مولانا کی قرآنی فکر کو عام تر کیا جائے تا کہ معاشرے کے اندر ایک فکری وسعت اور کشادگی پیدا ہو ۔دوسرے کے موقف کو سننا اور دلیل کے ساتھ رد کرنے کا علمی سلیقہ آئے ۔مولانا اپنے حواشی میں متعدد جگہ فرماتے ہیں :'' قرآن یہ بات وہ ہے جسے زمانہ کے عقلاء وفلاسفر بھی مانتے ہیں'' ۔ گویا یہی معاصر فکر کے اندر روشنی اور ندرت کا انداز ہے ۔ کہ عالمگیر وآفاقی حقائق اور قرآنی تعلیمات کو اس طرح ساتھ لے کر چلا جائے کہ قرآنی نتائج فکر کسی عقلمند اور زیرک انسان کے لئے اجنبی نہ رہیں ۔شاہ ولی اللہ کی فکر اصل میں اسی ''عالمی عقلی انقلاب'' کی علمبردار ہے ۔اور حضرت احمد علی لاہوری اسی فکر کے شارح ہیں ۔اور دنیا میں بالخصوص برصغیر پاک وہند میں حقیقی معنوں میں فکری اور عملی انقلاب اگر آیا وہ اسی قرآنی اور فکری وعقلی بنیاد پر آئے گا ۔فرقہ وارانہ جکڑ بندیوں اور سوچ کی محدودیت نہیں آج ہمارے فکری اضمحلال کو تیز کر دیا ہے اس کو روکنے کا ذریعہ بھی یہی انقلابی فکر ہے ۔ جسے عام تر کرنے کی ضرورت ہے کہ اسی پر مشرق ومغرب کے عقلاء اکٹھے ہو کر دنیا کو امنِ عالم کی نوید سے سکتے ہیں ۔اور لیقوم الناس بالقسط پر مبنی نظام غالب کر سکتے ہیں ۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) عبدالحکیم شرف الدین ،ڈاکٹر ،قرآن حکیم کے اردو تراجم ،قدیمی کتب خانہ کراچی ،۱۹۸۱ء،ص۸۲،مزید تفصیل کے لئے دیکھئے
عثمانی،محمد ندیم، پروفیسر،ڈاکٹر ،اردو میں تفسیری ادب ،مطبوعہ کراچی ،۱۹۹۶ء

(۲) اصلاحی ،محمد اجمل ،قرآن کریم کے چند اردو تراجم کا لغوی جائزہ ،علوم القرآن ،(ششماہی)۔شبلی باغ علی گڑھ، انڈیا،۲۰۱۱ء ،ج۲۶،شمارہ۱۰،ص۸۰،

(۳) احمد خان، ڈاکٹر، قرآن کریم کے اردو تراجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص۱۲،
پھر تراجم قرآنیہ کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اس میں مکمل تراجم کے ساتھ ساتھ کچھ سورتوں و پاروں کے تراجم بھی کیے گئے، ڈاکٹر، احمد خان ان تراجم کے تین ارتقائی ادوار کی نشاندہی اس طرح سے کرتے ہیں۔

(الف) ایسے تراجم جو تحت اللفظ یا پھر قرآنی کلمات کی تتبع میں تدوین ہوئے ایسے تراجم لفظی تفہیم، زبان دانی اور قرآن کے ظاہری مفہوم کی ادائیگی کے لئے زیادہ موزوں تھے اس لئے اس ابتدائی درجے کے تراجم میں الفاظ کی طرف خاص دھیان اور الگ الگ کلمات کے معنی کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔۔

(ب) بیسوی صدی کی ابتدائی میں قرآن فہمی کی طرف خصوصی دھیان دیا گیا۔الفاظ وکلمات کی بجائے جملوں اور مفہوم کی طرف توجہ مبذول ہوئی قرآن کی ساخت مقصود ومطلوب زیادہ پیش نظر رہنے لگا۔چنانچہ اس عرصے کے تراجم میں جو غالباً فطری عمل تھا فکر مغرب سے تصادم کے کچھ اثرات ظاہر ہونے لگے۔۔۔

(ج) تاہم ایک وقت آیا کہ علماء نے اپنی پرانی سوچ سے ہٹ کر علوم معاصر کی نہ صرف واقفیت پیدا کی بلکہ ان علوم کو اپنی تالیفات اور خاص طور پر قرآن کریم کے تراجم میں خاطر خواہ جگہ دی۔موجودہ عہد اس آخری گروپ کی بین مثال ہے۔حوالہ بالا،ص۱۴،۱۵ نیز دیکھئے عبدالحق مولوی، پرانی اردو میں قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر،ص۱۷۷

(۴) قاسمی، سعود عالم، مولانا، شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، الحمود اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۱۰۶

(۵) شاہ ولی اللہ دہلوی، فتح الرحمن، مقدمہ، تاج کمپنی لاہور، ۱۹۵۰، ص۳

(۶) شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، دارالکتاب، لاہور، ص۱۱۰

(۷) شاہ ولی اللہ، مقدمہ فتح الرحمن، مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی، ص۲

(۸) اس میں متن قرآن کے قریب تر رہ کر ترجمہ کی دشوار گزار گھاٹی کو سر کیا گیا ہے۔اس کی معنی خیزی خوب ہے۔لفظی ترجمہ ہونے کی وجہ سے شاہ رفیع الدین کی اس کاوش سے لوگ متن قرآن کے قریب ہو کر قرآن کو کچھ نہ کچھ سمجھنے لگے۔لیکن حل اشکالات کے ضمن یہ ترجمہ پوری طرح تشفی نہیں کرتا۔

(۹) (الف) شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں:
''اس بندہ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بہت بڑے عالم، حدیثیں جاننے والے، ہندوستان کے رہنے والے (نے) فارسی زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے ہیں اسی طرح عاجز نے ہندی زبان (اردو) میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے۔الحمد للہ یہ آرزو ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ء) میں حاصل ہوئی''

(ب) شاہ عبدالقادر، موضح القرآن، دیباچہ قرآن کریم، تاج کمپنی، لاہور، ص۸

(۱۰) ترجمہ مولانا محمود حسن، شیخ الہند، ملک فہد پریس، مدینہ منورہ، سعودیہ عربیہ، سال اشاعت ۲۰۰۴ء، ص ۲۰۸

(۱۱) اخلاق حسین قاسمی، مولانا، محاسن، موضح قرآن، ذوالنورین اکیڈمی، بھیرہ ضلع سرگودھا، ۱۹۸۳ء ص ۱۷

(۱۲) جیلانی کامران، تنقید کا نیا پس منظر، مکتبہ ادب جدید، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۶۳

(۱۳) (الف) مولانا اخلاق حسین قاسمی اس ترجمہ کی تاریخ اور کیفیت سے آگاہ کرتے ہیں:

''ایک ترجمہ شاہ علم کے عہد میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی سرپرستی میں کیا گیا، اس نے یہاں ایک دار الترجمہ قائم کیا تھا۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کام پر مامور تھی۔ اس کی تکمیل ۱۲۱۹ھ ۱۸۰۴ء میں ہوئی۔ یہ ترجمہ طبع نہیں ہوسکا اس کے دو قلمی نسخے آج بھی موجود ہیں ایک قلمی نسخہ ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے اور دوسرا نواب سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں ہے

اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے:

''خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا، نعمت دینے ہارا ہے۔ ہر ایک حمد خدا کی ہے کہ وہ مالک سب کا بخشنے ہارا۔ روزی دینے والا، خداوند روز قیامت کا ہے''۔

(۱) یہ وہ قدیم ترجمہ ہے جو حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کی تکمیل ۱۲۰۵ھ کے ۱۳ سال بعد شروع ہوا۔ اور ایک ہی سال میں مکمل ہوگیا۔

(۲) ایک بڑی جماعت نے بڑی محنت کے ساتھ مرتب کیا۔ زبان اور محاورات کو درست کرنے کا بڑا اہتمام کیا گیا۔

(۳) اس دور کا یہی ایک مکمل ترجمہ آج بھی قلمی صورت میں موجود ہے جس کی زبان کا مقابلہ شاہ صاحب کی زبان سے بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ شاہ صاحب مسجد اکبر آبادی کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر تن تنہا اپنا ترجمہ لکھ رہے تھے اور دوسری طرف ایک بڑی جماعت اس کام میں مصروف تھی اور سرکار انگلشیہ اس کی سرپرستی کر رہی تھی۔

راقم نے اس مشترکہ کوشش سے وجود میں آنے والے ترجمہ کا جگہ جگہ سے موضح قرآن کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھا۔ تو اس بات کا اندازہ ہوا کہ شاہ صاحب نے مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر موضح قرآن میں زبان وبیان کا جو نمونہ پیش کیا ہے اور ساتھ ہی جو علمی لطائف اس میں پوشیدہ فرمائے ہیں اس کی عظمت اس وقت بھی مسلّم تھی اور آج بھی مسلّم ہے۔ یہ جماعت علماء مل کر بھی صرف زبان وبیان کی وہ لطافت پیدا نہ کرسکی جو اس اکیلے درویش صفت انسان نے اپنے اس ترجمہ میں پیدا کردی''۔

(ب) محاسن موضح قرآن، ص ۷۵، ۷۶، ۷۷

(۱۴) (الف) حضرت شیخ الہند مزید تفصیل بیان کرتے ہیں...... ''الغرض فصل وبعد سے احتراز رکھتے ہیں الا ماشاء اللہ

کسی خاص ضرورت کے وقت میں دو تین کلموں کا فصل ہو جائے اور وہ بھی نادر کالمعدوم۔ دیکھئے عربی زبان میں مضاف کو مقدم ذکر کرتے ہیں اور اردو کا محاورہ یہ ہے کہ مضاف الیہ کو مقدم کرتے ہیں۔۔۔حضرت شاہ صاحب کی احتیاط قابل تحسین اور لائق قدر ہے کہ اس پر بھی ہر جگہ مضاف الیہ کو مقدم نہیں کرتے بلکہ جہاں ترجمہ میں ذرا گنجائش مل جاتی ہے وہاں اتنے قلیل تغیر کو بھی پسند نہیں کرتے۔ترتیب قرآنی کو ہی اختیار فرماتے ہیں''۔

(ب) ترجمہ شیخ الہند،ص۹،۱۰

(۱۵) شاہد علی،سید،ڈاکٹر،اردو تفاسیر بیسویں صدی میں،کتابی دنیا نئی دہلی،۲۰۰۹ء،ص۱۸۴

(۱۶) ترجمہ،مولانا احمد علی لاہوری،انجمن خدام الدین،لاہور،ص۸

(۱۷) حوالہ بالا،ص،۸۷

(۱۸) محاسن،موضح قرآن،ص،۲

(۱۹) قاضی،زاہد الحسینی،محمد،تذکرۃ المفسرین۔دارالارشاد،اٹک،پنجاب۱۴۴۵،ص،۳۳۷

(۲۰) محاسن موضح قرآن،ص،۸۲۱

(۲۱) (الف) دہلی قیام کے زمانے میں مولانا سندھیؒ کے حکم سے تین حضرات نے آگرہ کا تبلیغی سفر کیا جس میں آپ بھی تھے یہ سفر ہندوؤں کی شدھی تحریک (یعنی مسلمانوں کو مرتد کرنے) کے خلاف انہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لیے تھا جس میں اللہ تعالی نے خوب برکت دی بڑا دینی نفع ہوا اور ہزاروں کا ایمان سلامت رہا۔اسی دوران بعض علی گڑھی حضرات کی خواہش پر مولانا سندھیؒ نے آپ کو علی گڑھ بھیج دیا۔

(ب) مترجمہ قرآن،مولانا لاہوری،تعارف،ص۴۹،۵۰

(۲۲) حوالہ بالا،ص،۵۰

(۲۳) مترجمہ قرآن،مولانا لاہوری،تعارف،ص،۵۱

(۲۴) ندوی،ابوالحسن علی سید،پرانے چراغ۔مجلس نشریات اسلام کراچی۔ص،۱۳۴

(۲۵) محاسن،موضح قرآن،ص۴۷،۴۸

(۲۶) محاسن موضح قرآن ص،۳۶

(۲۷) معارف،اعظم گڑھ،کمال اللہ،بختیاری،ندوی،ڈاکٹر،مولانا احمد علی لاہوری کے تفسیری نکات اور قرآنی مقدمات شمارہ جون،۲۰۱۲ء،ج۱۸۹،عدد۶،ص۴۴۵،

(۲۸) پرانے چراغ،ص ۱۳۸۔۱۳۹

(۲۹) ایضاً ص۔۱۵۱

(۳۰) مولانا احمد علی لاہوری کے تفسیری نکات اور قرآنی مقدمات،شمارہ جون،۲۰۱۲ء،ج،۱۸۹،عدد۶،ص۴۴۴

(۳۱) پرانے چراغ،ص،۱۳۴

(۳۲) القصص،۲۸ آیت ۸۳

(۳۳) (الف)ھد یہ بہ درگاہِ ربُّ العِزّت: اے اللہ! تو نے محض اپنے فضل وکرم سے قرآنِ حکیم کی یہ خدمت ارا کینِ انجمنِ خدّامُ الدّین سے لی ہے۔ یہ تیری ہی چیز تیری بارگاہ میں ہدیۃً پیش کی جاتی ہے۔تُو اِسے قبول فرما۔ اِس میں حِصّہ لینے والوں کی نجاتِ آخرت کا ذریعہ بنا اور سب مسلمانوں کے لیے ہدایت کا سبب بنا۔ آمین یا الٰہ العالمین۔ احقر الانام احمد علی عفی عنہ

(ب) ترجمہ،مولانا لاہوری،ص،ب

(۳۴) (الف)اِن علماء میں بالترتیب علامہ انورؒ شاہ کاشمیری، مولانا حسینؒ احمد مدنی، مفتی محمد کفایتؒ اللہ، مولانا سید محمد سلیمانؒ ندوی، مولانا سلطان محمودؒ صاحب، مولانا حبیب الرحمٰنؒ لدھیانوی، مولانا نجم الدینؒ (پروفیسر اورینٹل کالج لاہور)، مولانا ابو محمد احمدؒ صاحب،

مولانا عبد العزیزؒ خطیب گوجرانوالہ، مولانا عبید اللہؒ صاحب، مولانا غلام صدیقؒ صاحب، مولانا مفتی محمد نعیمؒ صاحب لدھیانوی اور مولانا محمد چراغ صاحبؒ، شامل ہیں۔

(ب) ترجمہ مولانا احمد لاہوری،ملخص،ص۳ تا ۱۸

(۳۵) (الف)ان ابواب کی تفصیلی فہرست اس طرح سے ہے'' ابوابُ الرسالہ میں سولہ عنوانات دیے گئے ہیں۔ پھر تقدیرِ الٰہی اور قرآن مجید کے متعلق چار عنوانات ہیں۔ساتھ ہی معجزات اور خوارق عادات امور نیز فرشتے اور ان کے فرائض پر ایک ایک باب ہے کتاب القیامۃ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے اور کتاب الطہارۃ کے چار عنوانات ہیں ۔کتاب الصلوٰۃ کے چودہ ابواب ہیں ۔ اسکے بعد کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصیام ہیں ۔ پھر کتاب الحج کی تفصیل تیرہ ابواب تک پھیل گئی ہے ۔کتاب النکاح کے چھ ابواب ہیں ۔اور کتاب الرضاع ایک ہی باب پر مشتمل ہے ۔کتاب الطلاق کے تیرہ ذیلی عنوانات ہیں ۔کتاب السرقۃ کے دو باب ہیں ۔ حدود وتعزیرات اور احکام پردہ نیز وصیت ومیراث کے متعلقات کے لئے ایک ایک باب مختص ہے ۔کتاب البیوع کے دو ذیلی ابواب،خرید فروخت اور سود کے بیان پر محیط ہیں ۔

کتاب الجہاد میں باب کی بجائے سترہ مختلف جامع عنوانات دیے گئے ہیں جن میں غزوات کے حوالے اور جہاد کی ہدایات وغیرہ دی گئی ہیں ۔قصص القرآن میں مختلف قصص قرآنیہ بشمول قصص انبیاء کے عنوانات تیس تک ہو گئے ہیں ۔حقوق العباد کے ذیلی عنوانات پندرہ ہیں ۔قرآن حکیم کی دعائیں اور امثال القرآن کے عنوان کے تحت متعلقہ آیات کی تفصیل سورۃ اور رکوع کے حوالوں سے مزین کی گئی ہے ۔آخری باب ''باب الادب'' ہے جس کے ذیلی عنوانات کی تعداد آٹھ ہے''۔

(ب) مترجمہ قرآن ،مولانا لاہوری ،ص،۱۹تا۴۶

(۳۶) ''اعلان قولہ تعالی: یاایھاالذین امنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول ولا تخونو ا اماناتکم وانتم تعلمون''(انفال،۸آیت ۲۷)

''اللہ تعالی نے بندہ سے قرآن کی ایک نئی خدمت لی ہے یعنی ہر سورت کا عنوان ،ہر رکوع کا خلاصہ اس کا ماخذ اور بالالتزام ربط آیات ۔میں نے اس کا حق تصنیف انجمن خدام الدین کو دے دیا ہے تا کہ بوقت ضرورت ہر دفعہ عمدہ طور پر طبع کرا کر خلق اللہ کے ہاتھوں میں پہنچائے اور اس کا نفع دوسرے دینی کاموں میں لگائے ،اور بغرض تجارت جلب زر کرنے والوں کے ہاتھوں میں یہ چیز نہ جائے ۔لہذا سوائے انجمن موصوف کے کسی صاحب کو ان مضامین کے شائع کرنے کی اجازت نہیں ۔(احقر الانام ،احمد علی عفی عنہ)''

(ب) ترجمہ مولانا لاہوری ،ص۹۹۹

(۳۷) حوالہ بالا ،ص،۳

(۳۸) حوالہ بالا ،ص۶۳،۹۶۱

(۳۹) حوالہ بالا ،ص،۹۶۴

(۴۰) ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری ،ص۸۹۷

(۴۱) حوالہ بالاص،۹۰۱

(۴۲) حوالہ بالا ،ص،۶۹۳

(۴۳) حوالہ بالا ،ص،۳۷۴

(۴۴) حوالہ بالاص،۹۱۲

(۴۵) ترجمہ مذکور ص،۹۵۴

(۴۷) ترجمہ ہذا ،ص،۳

(۴۷) حوالہ بالا ،ص،۱۰۔

(الف) اس طرح کہ خلاصے کہ جن میں شاہ صاحب کی اصطلاحات کو کام میں لایا گیا ہے اور اجتماعی فکر کے حامل جامع خلاصے بیان کیے گئے ہیں ۔سورہ مومن کے پانچویں رکوع کا خلاصہ میں لکھتے ہیں مخالفین قرآن کے لئے انذار بضمن تذکیر بما بعد الموت وبایام اللّٰہ

(ب) حوالہ بالا ،ص،۵۴۷

(۴۸) ترجمہ مولانا لاہوری ،ص۱۳

(۴۹) حوالا بالا ،ص،۹۴۶

(۵۰) پرانے چراغ،ص۱۳۳

(۵۱) ملاحظہ ہو ترجمہ مذکور،ص،۵۵،۵۶،۵۷،،۵۹،۶۰،۶۱

(۵۲) ترجمہ قرآن ،مولانا احمد علی ،لاہوری،ص،۵۸

(۵۳) حوالہ بالا،ص،۶۰

(۵۴) حوالہ بالا،ص،۹

(۵۵) حوالہ بالا،ص،۱۴

(۵۶) حوالہ بالا،ص،۴۲۷

(۵۷) ترجمہ مولانا لاہوری،ص۸۷۳

(۵۸) حوالہ بالا،ص،۳۸

(۵۹) حوالہ بالا،ص۸۱

(۶۰) حوالہ بالا،ص۶

(۶۱) حوالہ بالا،ص۷

(۶۲) ترجمہ مذکور،ص،۱۱

(۶۳) حوالۂ بالا،ص،۱۸

(۶۴) حوالۂ بالا،ص،۲۱

(۶۵) ترجمہ مذکور، دیکھئے خلاصہ رکوعات سورہ بقرہ،ص،۸۲تا۹۶

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆